POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 November 2024, R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511
Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ

ہماری زبان

اشاعت کا 85واں سال

Date of Publication: 16-11-2024 • Price: 5/- • 22-28 November 2024 • Issue: 44 • Vol:83

۲۲تا۲۸نومبر۲۰۲۴ء • شمارہ:۴۴ • جلد:۸۳

حکیم سیّد قمرالحسن بھوپال کی صحافت وثقافت کے مہرِمنیر

آفاق حسین صدیقی

آزادی سے قبل غیر منقسم ہندستان کی خودمختار ریاستوں اور آزادی کے بعد کے منقسم ہندستان میں سرزمینِ بھوپال کو جو مقبولیت اور امتیازی مقام حاصل رہا ہے اس میں اس شہر کی ثقافتی، تہذیبی، اخلاقی اور علمی و ادبی قدروں نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ تمام قدریں رہینِ منت ہیں اُن چند ممتاز ہستیوں کی جنھوں نے اپنی تمام زندگی ان اقدار کی آبیاری میں گزاری۔ ان ممتاز ہستیوں میں ایک نام حکیم سیّد قمرالحسن صاحب مرحوم کا بھی شامل ہے۔ حکیم سیّد قمرالحسن صاحب مرحوم ایک ہمہ صفت شخصیت کے مالک اور بیک وقت ایک حاذق طبیب، معتبر صحافی، صاحبِ فکر ادیب، صاحبِ طرز انشا پرداز، بے لاگ تبصرہ نگار اور بے مثال مقرر تھے۔

بلند قامت، اکہرا جسم، سرخ سفید رنگ، اُبھری ہوئی کشادہ پیشانی، عقابی آنکھیں، ستواں ناک، متبسم ہونٹ، کلین شیو، سر پر انگریزی وضع کے چھوٹے چھوٹے بال، گونج دار آواز، شائستہ لب ولہجہ، بیان میں شگفتگی، لباس میں نفاست، بذلہ سنج، خوش مزاج، خوش اخلاق، خوش اطوار، خوش طبع اور خوش فکر، خلوص، محبت، مروّت کا پیکر، شرافت، نجابت، ذہانت وذکاوت اور فہم وفراست کا نمونہ۔

وہ ایک ایسے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جس کے بیش تر افراد نے زندگی گزارنے کے لیے طبابت کا پیشہ اختیار کیا تھا کہ اس پیشے میں خاندان کی کفالت اور خدمتِ خلق دونوں کی ذمے داریاں بہ حسن وخوبی پوری کی جاسکتی تھیں۔ حکیم صاحب کے جدامجد سیّد محمد ہاشم خاں المعروف بہ حکیم علوی خاں صاحب اپنے زمانے کے مشہور ماہر طبیب تھے۔ وہ 1669 میں شیراز میں پیدا ہوئے تھے اور 1700 میں ہندستان آئے تھے۔ انھوں نے 1749 میں دہلی میں وفات پائی۔ حکیم صاحب کے جدِ اعلا حکیم سیّد حسین دہلی سے رامپور آگئے تھے، ان کے صاحبزادے حکیم سیّد حسن عہدِ سکندری میں رام پور سے بھوپال آئے اور سرکار میں ملازمت اختیار کی اور نواب سکندر جہاں بیگم کے معالج مقرر ہوئے۔ ایک مدت کے بعد انھوں نے سرکاری ملازمت سے استعفا دے دیا اور بھوپال کے قرب وجوار کی ریاستوں میں رہ کر طبی خدمات انجام دیں۔

حکیم سیّد قمرالحسن صاحب حکیم سیّد حسن صاحب کے صاحبزادے حکیم سیّد نورالحسن کے فرزندِ اصغر تھے، وہ 1909 میں رائسین میں پیدا ہوئے تھے۔ حکیم سیّد نورالحسن صاحب کے فرزندِ اکبر مشہورِ زمانہ طبیب حکیم سیّد ضیاءالحسن صاحب مرحوم تھے۔ حکیم قمرالحسن صاحب نے ابتدائی درجات کی تعلیم رائسین میں رہ کر والد کی زیرِ نگرانی حاصل کی، اس کے بعد بھوپال کے مشہور الگزنڈرا ہائی اسکول میں داخلہ حاصل کیا۔ یہاں سے اعلا تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ اس کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے 1930 میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا، 1934 میں دوبارہ لاہور جا کر پنجاب یونی ورسٹی سے 'زبدۃ الحکماء' کی سند حاصل کی۔ وہاں سے واپس آ کر آصفیہ طبیہ کالج بھوپال میں آنریری لیکچرر مقرر ہوئے۔ یہاں انھیں شفاء الملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی اور شمس الاطباء حکیم محمد حسن قریشی جیسے نامور اور صاحبانِ تصانیف اطبا سے استفادہ حاصل کرنے کے مواقع بھی میسر آئے۔ طبیہ کالج میں علمِ طب کی تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد کچھ مدت تک انھوں نے اپنے چچا محترم حکیم اولاد حسین صاحب کے ساتھ مطب بھی کیا، اسی کے بعد وہ اُجین چلے گئے اور تقریباً دو سال تک وہاں مطب کرتے رہے۔ پھر واپس بھوپال آگئے۔

حکیم صاحب کی عمرِ عزیز کا یہ زمانہ ہندستان میں برٹش سامراج کے خلاف سیاسی تحریکوں کے فروغ کا زمانہ تھا تو ریاستِ بھوپال میں شخصی حکومت سے حقوق اور اختیارات حاصل کرنے کی غرض سے احتجاجی سرگرمیوں کے عروج کا زمانہ بھی تھا۔ سعیداللہ خاں رزمی، قدوس صہبائی اور ابوسعید بزمی جیسے تعلیم یافتہ نوجوان اگر ایک طرف اپنی تحریروں اور تقریروں سے عوام میں بیداری پیدا کرنے کے لیے سرگرمِ عمل تھے تو ان کے ساتھ ہی خان شاکر علی خاں، لطف اللہ خاں نظمی، طرزی مشرقی اور سیّد ظہور ہاشمی وغیرہ جیسے پُرجوش نوجوان اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے عوامی تحریکات کو جوش و ولولہ عطا کر رہے تھے۔ انجمن خدامِ وطن، بھوپال لیجسلیٹو کونسل اور بھوپال اسٹیٹ پیوپلز کانفرنس جیسی کئی انجمنیں وجود میں آچکی تھیں۔ حکیم صاحب کو چوں کہ زمانۂ طالبِ علمی سے ہی قومی خدمات کے کاموں سے دل چسپی رہی تھی جس کے زیرِ اثر انھوں نے بھوپال کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک جماعت 'اتحاد وترقی' کے نام سے تشکیل دی تھی، بعد میں حکومت کے اعتراض کرنے پر اس جماعت کا نام 'اصلاح وترقی' رکھا گیا تھا۔ اس جماعت نے ایک ہفت روزہ پرچہ 'پیام' بھی جاری کیا تھا۔ اس پرچے میں شامل حکیم صاحب کی نگارشات نے بھوپال کی سیاست کو ایک صحت مند انداز اختیار کرنے کے سلسلے میں بڑا حصّہ لیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ 1936 میں مولانا سعیداللہ خاں رزمی کے ایما پر جب سیّد حامد رضوی صاحب نے 'بھوپال نیشنل لیگ' کے نام سے ایک سیاسی انجمن کی تشکیل کی تو اراکینِ مجلسِ عاملہ میں حکیم سیّد قمرالحسن صاحب بھی شامل کیے گئے تھے۔ اسی دوران میں احباب کے اصرار پر انھوں نے دو دفعہ میونسپل کے انتخابات میں حصّہ لے کر کامیابی حاصل کی تھی۔

حکیم صاحب کی ان کے زمانے میں سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ سیاسی سرگرمیوں میں ان کی دل چسپی نام ونمود یا ذاتی مفاد حاصل کرنے کی خاطر نہیں تھی بلکہ ان کی اس انسان دوستی کے رہینِ منت تھی جس کے تحت وہ عوامی زندگی کی فلاح و بہبود کے خواہش مند تھے، اسی لیے سیاسی معاملات میں انھوں نے خود کو ایک خاص حد تک محدود رکھا۔ ویسے بھی اس میدان میں وہ نعرہ بازی، ہنگامہ آرائی، جوش وخروش اور انتہا پسندی کے قائل نہیں تھے بلکہ درمیانہ روی، ہوش مندی، مفاہمت اور مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کے قائل تھے۔ اپنے دور کی سیاسی سرگرمیوں میں وہ ہمیشہ اسی موقف پر عمل کرتے رہے۔ حکیم صاحب اپنے مذکورہ موقف اور درمیانہ روی کی روش کی بنا پر اگرچہ بھوپال کی سیاسی تاریخ میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکے جو دوسروں کے حصّے میں آیا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اپنی اعتدال پسندی، درمیانہ روی اور صلح جوئی کی بِنا پر بھوپال کی ادبی تاریخ میں انھیں جو مقام حاصل ہوا وہ اور کسی کے حصّے میں نہیں آسکا۔

بھوپال کی ادبی تاریخ میں حکیم صاحب کے مقام ومرتبے کا انحصار ان کی غیر معمولی صحافتی خدمات پر ہے۔ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی مرحوم نے 'اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصّہ' میں ان کی صحافتی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

> 'حکیم صاحب نے بھوپال میں سنجیدہ صحافت کی داغ بیل ڈالی اور عوام اور حکومت کے درمیان متوازن رابطہ قائم کیا۔'
> (اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصّہ از ڈاکٹر سلیم حامد

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

رضوی، ص454)

حکیم صاحب کی صحافتی خدمات کا باقاعدہ آغاز 1938 میں ہفت روزہ 'ندیم' کی ادارت سے ہوا تھا۔ ہفت روزہ 'ندیم' سرکاری پرچہ تھا جو 1936 میں محمود الحسن صاحب کی زیرِ ادارت جاری کیا گیا تھا۔ محمود الحسن جب ریاستی مسلم لیگ کے سکریٹری مقرر ہوکر بھوپال سے باہر چلے گئے تو 'ندیم' کی اشاعت کی ذمے داری حکیم صاحب کے سپرد کردی گئی۔ حکیم کے زیرِ ادارت 'ندیم' ہفت روزہ سے روزنامہ ہوا اور ہر شام شائع ہونے لگا یعنی 'ندیم' بھوپال کا پہلا روزنامہ تھا۔

1938 میں روزنامہ 'ندیم' کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد سے حکیم صاحب کی وفات 14 نومبر 1981 تک کا زمانہ تقریباً 43 سال کی مدت پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ سارا زمانہ ہندستان میں سیاسی سطح کے ساتھ یہاں کی معاشرتی، تہذیبی، معاشی، اخلاقی اور نظریاتی سطحوں پر متواتر انقلابات اور مسلسل تبدیلیوں کا زمانہ رہا ہے۔ ان تمام انقلابات، تبدیلیوں اور تغیرات کے تناظر میں حکیم صاحب کی صحافتی خدمات کے جائزے کے بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ راقم یہاں چند ایسی باتوں کا ذکر کرنا چاہے گا جو صحافت کے میدان میں ان کی غیر معمولی فہم کا ثبوت فراہم کرتی اور ان کے امتیاز کو ظاہر کرتی ہیں۔ جب حکیم صاحب کو 'ندیم' کی اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی، اس وقت ندیم سرکاری اخبار تھا اور سرکار خود مختار شخصی حکومت کی مرضی کے تابع۔ ادھر بھوپال عوامی تحریکات کا مرکز اور عوام سرکاری پالیسیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ۔ بھوپال سے شائع ہونے والے دوسرے ہفت روزہ اور پندرہ روزہ اخبارات عوامی تحریکوں کی ہمنوائی بھی کررہے تھے اور عوام کے حقوق و اختیارات کے مطالبات کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دے رہے تھے، اس صورتِ حال میں اخبار کے لیے ایسی پالیسی اختیار کرنا یا وضع کرنا جو برسرِ اقتدار طبقہ کے لیے بھی قابلِ قبول ہو اور عوامی مفادات کے لیے بھی مضر ثابت نہ ہو، بڑا دشوار کام تھا گویا کہ دو منہ زور گھوڑوں کو رام کرنے یا ایک جوڑی کے تلے لانے کے مترادف تھا۔ اس سلسلے میں حکیم صاحب نے جس حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرکے صورتِ حال پر قابو حاصل کیا وہ ان کا ہی حصّہ تھا۔ اس ذیل میں راقم کا خیال ہے کہ اس حکمتِ عملی کے مظاہرے میں حکیم صاحب کی غیر معمولی دانش مندی، دور بینی اور دوراندیشی کے ساتھ خود ان کی وسعتِ نظری، غیر جانب داری، دیانت داری اور حقیقت پسندی کا بھی بڑا حصّہ تھا۔ دراصل اخبار میں عوامی مسائل کی ترجمانی کے ذیل میں انھوں نے ایک ماہر طبیب کا سا رول ادا کیا۔ مرض کی تشخیص کی، اسباب کا جائزہ لیا، ادویات تجویز کرکے چارہ گری کی ذمے داری چارہ ساز کے سپرد کردی۔ نہ عوام کو شکایت نہ برسرِ اقتدار طبقہ کو شکوہ۔ اس سیاق و سباق میں یہ کہنا نامناسب نہیں ہوگا کہ حکیم صاحب نے اپنی غیر معمولی ذہنی اور فکری صلاحیتوں سے روزنامہ 'ندیم' کے ذریعے سرزمینِ بھوپال کی صحافت میں ایک صحت مند اور اعتدال پسند صحافت کی داغ بیل ڈالی اور اردو صحافت کا ایک معیار قائم کیا۔

انضمامِ ریاست کے بعد کا زمانہ بھوپال میں اردو صحافت خصوصاً 'ندیم' کے لیے بڑی آزمائش کا دور تھا، ایک طرف تو 'ندیم' سرکاری سرپرستی اور اعانت سے محروم ہوگیا دوسری طرف کمشنر راج کی سختیوں نے عوام کی زندگی دوبھر کردی تھی۔ نامساعد حالات کا دور دورہ تھا۔ لبوں پر پہرے تھے، احتجاج کرنے والے افراد خصوصاً اشتراکی نظریات سے متاثر افراد کو گرفتار کرکے جیل میں بند کیا جارہا تھا، ان حالات میں حکیم صاحب نے اپنی غیر معمولی ذہنی و فکری صلاحیتوں مثلاً معاملہ فہمی، بیدار مغزی، دوراندیشی، ہوش مندی اور خود اعتمادی وغیرہ کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف اخبار کو زندہ رکھا بلکہ اسے عوامی معاملات اور مسائل کا سچا ترجمان بنا کر ثابت کردیا کہ وہ صرف ایک ماہر طبیب ہی نہیں ماہر اور معتبر صحافی بھی ہیں۔

ریاستِ بھوپال میں چیف کمشنر راج ختم ہونے کے بعد اگرچہ ڈاکٹر شنکر دیال شرما کی قیادت میں پہلی عوامی حکومت کی تشکیل عمل میں آگئی تھی لیکن اس سے اردو صحافت کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا بلکہ اس دور میں اردو دشمنی کی فضا اور ہندی کے تسلط نے اردو صحافت کے لیے بہت سے مسائل پیدا کردیے، ان حالات میں حکیم صاحب نے ہمت نہیں ہاری، پورے استقلال، اعتماد اور یقین کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا اور اپنی سوجھ بوجھ سے 'ندیم' کے لیے ایسی پالیسی وضع کی جو عوامی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے دائرے میں لیے ہوئے تھی۔ حکیم صاحب کی اس فلاحِ عام اور رفاہِ عام پالیسی کی بنا پر چند دن میں ہی 'ندیم' صرف اخبار نہیں رہا بلکہ بقولِ سیّد محمود الحسینی 'اخبار سے زیادہ ایک مکتبِ فکر بن گیا'۔ (شخصیات، صفحہ:55)

حکیم صاحب کو اپنے صحافتی سفر کے دوران میں آسودگی، آسائش، اطمینان اور سکون کے مواقع بہت کم میسر آئے۔ وہ بہ آسانی یہ مواقع حاصل کرسکتے تھے خصوصاً کانگریس کے دورِ حکومت میں وہ مفاہمت و مصالحت کا رویہ اختیار کرکے صحافت کو اپنے لیے منفعت بخش مشغلہ بنا سکتے تھے لیکن انھوں نے کبھی بھی اپنی ترجیحات سے دستبردار ہونا گوارا نہیں کیا، نتیجے میں ان کا صحافتی سفر سنگلاخ راستوں کو طے کرنے کا سفر ہی رہا لیکن اس سفر کے مثبت اور مفید نتائج سے کون انکار کرے گا؟

کہیں ایثار غم جاتا ہے ضائع
چمن شاداب ہے شبنم نہیں ہے

حکیم صاحب کے فکر و عمل کا دائرہ محض صحافت کے میدان تک محدود نہیں تھا بلکہ علم و ادب کے دوسرے میدانوں میں بھی انھوں نے اپنی غیر معمولی فہم و فراست اور زورِ قلم کے جوہر دکھائے۔ حکیم صاحب کو ابتدائی عمر سے ہی لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ ان کی مضمون نویسی، مقالہ نگاری کا سلسلہ الگزنڈرا اسکول کی طالب علمی کے زمانے سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ اس دوران انھوں نے افسانے بھی لکھنا شروع کردیا تھا۔ اور ان کی نگارشات رسائل میں شائع ہونے لگی تھیں۔ ابتدا میں ان کی تحریریں جن رسائل میں شائع ہوئیں ان میں 'محسن الملک' (بھوپال)، 'ریاست' اور 'ساقی' (دہلی) اور 'ہمایوں' (لاہور) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے بعد 'پیام' میں شامل ان کے پُرمغز مقالات نے ان کی ادبی حیثیت کا بھی تعین کردیا تھا۔ اس سلسلے میں یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ادبی دنیا میں متعارف ہوجانے کے باوجود حکیم صاحب نے اپنے مزاج کی سادگی، انکساری، قناعت پسندی، فخر و مباہات اور نام و نمود سے بے نیازی اور محمود الحسینی صاحب کے الفاظ میں 'ادبی رہبانیت' کے سبب اپنی نگارشات کو قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے امتیازی درجہ رکھنے والے صاحبِ اسلوب نثر نگار تھے اور ان کی نثر زبان کی صفائی و پاکیزگی، بیان کی سادگی و لطافت، معیاری اور موزوں الفاظ کے موزوں و برمحل استعمال کے ساتھ خیالات کی ندرت اور افکار کی گہرائی و معنویت کے لحاظ سے ایک امتیازی شان کی حامل ہے۔ روزنامہ 'ندیم' میں ان کے تحریر کیے گئے خصوصی اداریے اور علمی و ادبی موضوعات پر قلم بند کی گئیں تحریریں خصوصاً مدھیہ پریش اردو اکادمی بھوپال سے شائع کردہ ان کی تحریروں کے انتخاب 'نگارشات' میں شامل مضامین ان کی نثر نگاری کی مذکورہ خصوصیات کے غماز ہیں۔ حکیم صاحب کو جہاں انتہائی شگفتہ، شائستہ اور اثر انگیز نثر نگاری میں مہارت حاصل تھی وہیں انھیں تقریر کے فن پر بھی بڑا عبور حاصل تھا، جن لوگوں نے ان کی تقاریر سنی ہیں وہ گواہی دیں گے کہ وہ اپنے زمانے کے بہترین مقرر تھے۔ علمی و ادبی موضوعات پر ان کی تقاریر زبان و بیان کے ایک خاص معیار کے ساتھ علم و آگہی کا سرچشمہ بھی ہوتی تھیں اور باذوق سامعین کے لیے ذوق کی تسکین اور معلومات میں اضافہ کا سبب بھی۔ وہ جس موضوع پر گفتگو کرتے تھے اس کے تمام پہلو اُن کے حافظے میں محفوظ ہوتے تھے اور وہ ان سب کا باریک بینی سے جائزہ لے کر بنیادی موضوع پر اس طرح اظہارِ خیال کرتے تھے کہ موضوع سے متعلق بنیادی باتیں پوری طرح واضح ہوجاتی تھیں، تمام گرہیں کھل جاتی تھیں، ایسے موقعوں پر حکیم صاحب کے علم و ادب کے وسیع مطالعہ کے ساتھ موضوع کے متنوع اور متفرق پہلوؤں پر ان کی گہری نظر، ان کی دروں بینی اور استخراجِ نتائج میں ان کے سنجیدہ غور و فکر اور قوتِ حافظہ اور زورِ بیان کا قائل ہونا پڑتا تھا۔ حکیم صاحب کی تقاریر کا بڑا وصف اختصار اور جامعیت تھا۔ وہ اپنی تقاریر میں غیر متعلق تفصیلات سے اجتناب برتتے اور طول بیانی سے پرہیز کرتے تھے، ساری توجہ موضوع کے بنیادی پہلوؤں پر مرکوز رکھتے تھے جس کی بنا پر ان کی تقاریر سامع کے ذہن و فکر پر گہرے اثرات مرتب کرتی اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی تھیں۔

حکیم صاحب کی طبابت، صحافت اور علم و ادب کے میدانوں میں انجام دی گئیں خدمات اگرچہ تاریخی نوعیت کی حامل ہیں لیکن اپنے زمانے میں حکیم صاحب کو جو قدر و منزلت حاصل رہی یا جو ہر دلعزیزی نصیب ہوئی اس کا بڑا سبب ان کی شخصیت کی دلنشیں صفات تھیں۔ حکیم صاحب اپنے دور کے ایک بہترین انسان تھے۔ اسلامی طرزِ حیات کے اصولوں کی پابندی اور مشرقی تہذیب و تمدن کی اعلا ترین قدروں کی پاسداری نے ان کی شخصیت کو بڑا پُرکشش، محترم اور پُروقار بنا دیا تھا۔ جو بھی ان سے ملتا تھا ہمیشہ کے لیے ان کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔

حکیم صاحب کی شخصی صفات کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع تھا لیکن راقم کے خیال میں انسان دوستی، حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک ان کی صفات میں بنیادی اہمیت رکھتی تھیں، انسان دوستی کے تحت ان کے ملنے والوں میں ہر طبقے، ہر فرقے اور ہر قسم کے لوگ شامل تھے، چھوٹا ہو یا بڑا، ادنا ہو کہ اعلا، صاحبِ ثروت ہو یا مفلس ہو یا نادار، طالبِ علم ہو کہ استاد اپنے طرزِ عمل میں وہ کسی بھی قسم کی تفریق نہیں رکھتے تھے۔ جہاں تک ان کے حسنِ اخلاق کا تعلق ہے جو لوگ ان سے ملے ہیں یا ان کی محفلوں میں شریک ہوئے ہیں وہ آج بھی ان کے حسنِ اخلاق کے معترف ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور ترقی پسند شاعر کیفی اعظمی کا وہ بیان قابلِ ذکر ہے جو انھوں نے حکیم صاحب سے اپنی پہلی ملاقات کے بعد دیا تھا، اس میں انھوں نے کہا تھا:

'آج ایسے شخص کو پانے کی خوشی سے مالا مال ہوں جو خود ذہانت و طباعی و نکتہ رس ذہن، سلجھی ہوئی فکر اور شاداب دماغ کی دولت سے مالا مال ہے اور ہر ملنے والے کو بے پایاں مسرت سے مالا مال کرسکتا ہے'۔

حکیم صاحب کے حسنِ سلوک کے سلسلے میں بہت سے واقعات زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ راقم ایک واقعے کا ذکر کرنا چاہے گا جس سے حکیم صاحب کے حسنِ سلوک کا ثبوت بھی ملتا ہے اور ان کی محبت، مروّت، خلوص، ہمدردی، غم گساری اور دوست نوازی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مسلم صاحب کے 'دعوت' کے مدیر کے منصب پر فائز ہوکر دہلی جانے کے بعد روزنامہ 'ندیم' کے ایڈیٹر کی ذمہ داریاں سیّد محمود الحسینی صاحب کے سپرد کردی گئی تھیں۔ محمود صاحب بحسن و خوبی مدیر ندیم کی ذمہ داریاں انجام دے رہے تھے کہ علیل ہوگئے۔ علالت کا سلسلہ بڑھتا گیا وہ صاحبِ فراش ہوگئے۔ ان کے بیمار ہوتے ہی حکیم صاحب نے ان کی ذمے داریاں سنبھال لیں اور محمود صاحب کو مکمل آرام کا مشورہ دیا۔ محمود صاحب کی علالت کے دوران میں جس کی مدت دنوں نہیں مہینوں پر محیط تھی، تاریخِ مقررہ پر محمود صاحب کے مشاہرے کی پوری رقم ان کے گھر بھیجتے رہے۔ جب محمود صاحب صحت مند ہوگئے ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مولانا آزاد کی ادبی وسیاسی خدمات

مرضیہ عارف

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد سیاست، ادب اور تاریخ کی اس عبقری شخصیت کا نام ہے جس پر دنیائے ادب وسیاست ناز کرتی ہے۔

مولانا آزاد 11 نومبر 1888 کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تاریخی نام فیروز بخت، اصل نام محی الدین احمد، کنیت ابوالکلام اور تخلص آزاد تھا۔ والد مولانا خیرالدین ہندستان کے ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ اور بڑے وسیع حلقے کے مرشد تھے جب کہ والدہ مدینہ منورہ کے ایک ذی مرتبہ خانوادے کی دختر تھیں اسی اعتبار سے مولانا کو ابتدائی ماحول پیری مریدی کا ملا۔ انھوں نے تعلیم بھی روایتی اور مذہبی پائی۔ ابھی درسِ نظامی کی آخری جماعتوں سے گزر رہے تھے کہ خداداد صلاحیت وذہانت کے جوہر کھلنے لگے۔ اسی عرصے میں سرسید کے مطالعے نے ان کے موروثی عقائد کی دنیا میں تہلکہ مچا کر اس سے بغاوت پر آمادہ کردیا لیکن دستِ غیب کو اس متاعِ گم گشتہ کی حفاظت کرنا تھا چناں چہ جلد ہی راہِ راست پر آگئے۔ عہدِ طفولیت میں شعروشاعری سے بھی دل چسپی پیدا ہوئی لیکن عنفوانِ شباب میں قدم رکھا تو اپنے دور کے وقیع رسائل 'الصباح'، 'لسان الصدق'، 'وکیل'، 'دارالسلطنت'، 'تحفۂ احمد' اور 'الندوہ' کی ادارت کا فخر حاصل ہوا اور ادبی دنیا کی توجہ بے اختیارانہ مولانا کی جانب اس وقت مبذول ہوگئی جب کہ ان کی عمر 16-15 برس سے زائد نہ تھی۔ چناں چہ 1904 میں لاہور کی انجمن 'حمایتِ اسلام' نے اپنے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لیے اڈیٹر 'لسان الصدق' کو مدعو کیا۔ اس اجلاس میں ڈپٹی نذیر احمد، مولانا حالی اور ڈاکٹر اقبال بھی موجود تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اجلاس میں خطبہ پڑھا تو بڑی مشکل سے حاضرین کو یقین آیا کہ یہ وہی آزاد ہیں جو 'لسان الصدق' کے مدیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں کیوں کہ اس وقت ان کی عمر صرف 16 برس تھی اور اس عمر کے نوجوان سے اس ذہانت اور علم وفضل کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ بہرحال اس کے بعد سارے ہندستان نے ان کو جان لیا اور نہ صرف علامہ شبلی، شیخ عبدالقادر اور مولانا حالی جیسے معروف صحافی اور ادیب ان کی صلاحیتوں کے معترف ہوگئے بلکہ عام مسلمانوں میں بھی ان کی شہرت ومقبولیت کا مظاہرہ ہونے لگا۔ مولانا خود بھی مسلمانوں کی زبوں حالی کے پیشِ نظر ان کی جانب متوجہ ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمانوں میں اول تو سیاست سے بیگانگی کا وہ فلسفہ عام تھا جس کی سرسید احمد خاں عرصے تک تبلیغ کر چکے تھے یا پھر علاحدگی پسندی کا وہ رجحان پنپ رہا تھا جسے سرآغا خاں کی مسلم لیگ نے پیدا کیا تھا۔ مولانا نے بے تعلقی اور علاحدگی پسندی کے اس طلسم کو شکست دے کر مسلمانوں کو قومی اور وطنی سیاست میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ ان کی آواز میں جو کڑک، چمک اور للکار تھی، اس نے خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار ہی نہیں کیا اس نئے جہاں کی سیر بھی کرائی جو انقلاب کی چنگاریوں سے بھرا ہوا تھا اور یہی چنگاریاں تحریکِ خلافت کے دور میں شرارہ بن کر فضا کو دہکانے لگیں۔ نتیجتاً برِّصغیر میں وہ عدیم المثال تحریکِ ترکِ موالات شروع ہوئی جس نے محض دوسال کی مدت میں استعمار اور استبداد کے مستحکم قلعے میں ایسی سرنگیں لگائیں کہ 1947 میں وہ ہمیشہ کے لیے منہدم ہوگیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی ذات کن کن صفات کی مظہر تھی، عقل ودانش، علوم ومعارف اور فہم وادراک کے کیا کیا جوہر ان میں پنہاں تھے اور ان کی شخصیت کے جلال وجمال کے کتنے نقش منظرِ عام پر آسکے اس کا علم شاید خود مولانا مرحوم کو بھی نہ ہوا ہو یہی ان کی جامع اور عجیب وغریب شخصیت ہونے کا ثبوت ہے۔ مولانا نے بھی قدرت کی ان فیاضیوں کا پورے فخر کے ساتھ ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

> 'مذہب، علوم وفنون، ادب وانشا، شاعری کی کوئی وادی ایسی نہیں ہے جس کی بے شمار راہیں مبدءِ فیاض نے مجھ پر نہ کھول دی ہوں اور ہر آن وہر لحظہ نئی نئی بخششوں سے دامن مالا مال نہ ہوا ہو...'

مولانا ایک بڑے عالم، مفسر اور علمِ کلام کے ماہر ہی نہ تھے سیاسی حالات کے مدوجزر پر بھی انھوں نے گہری نظر رکھی۔ زندگی کے ابتدائی حصے میں یقیناً سیاست سے ان کی غیر معمولی دلچسپی ہی ان کی تخلیقات کے وجود کا باعث بنی کیوں کہ اس دور میں مولانا نے جو کچھ لکھا اس میں سیاست کا عنصر زیادہ تھا لیکن اس کی ادبی حیثیت اپنی جگہ آج بھی مسلم ہے۔ دراصل مولانا نے اس میں ان جملہ خصوصیات کو سمودیا ہے جو سیاست ہی نہیں زندگی کے ہر موضوع کو ادب بنادیتی ہیں۔ انھوں نے 1912 میں 'الہلال' اور 1916 میں 'البلاغ' جاری کیا تو گویا ان دو رسالوں کے ذریعے اردو صحافت کو معراجِ کمال تک پہنچادیا۔ اور یہ ظاہری ومعنوی دونوں حیثیت سے اردو صحافت کے سنگِ میل شمار کیے گئے اور ان کی ہمہ گیر مقبولیت کا اعتراف ڈاکٹر ذاکر حسین، غلام رسول مہر، نیاز فتحپوری اور رشید احمد صدیقی جیسی معتبر ومسلّم شخصیتیں کرچکی ہیں۔ 'الہلال' نے مسلمانوں کے دلوں میں ہمت اور سر میں سودا پیدا کیا نیز ان کے مسائل کو اس دور بینی، بلند نگاہی، کشادہ دلی اور بے باکی سے اپنے صفحات پر پیش کیا کہ انگریز حکومت ان افکار کا گلا گھونٹنے پر مجبور ہوگئی۔ 1915 میں مولانا کو بھی نظر بند کردیا گیا اس طرح 'الہلال' اپنی موت آپ ضرور مرگیا لیکن عوام کے دلوں میں اس نے زندگی کی وہ مشعل روشن کردی جو ظلم وستم کی آندھیوں سے بھی بجھنے والی نہیں تھی۔

مولانا کی ہندستان گیر مقبولیت اور شہرت کا ایک دوسرا سبب ان کی بے پناہ قوتِ گویائی اور سحرِ خطابت تھا جس کے مظاہرے خلافت، انجمن حمایت اسلام، جمعیۃ علماء، کانگریس اور جمعیۃ اہلِ حدیث کے اجلاسوں اور علامہ رشید مصری کی ترجمانی کے موقعے پر بارہا ہوئے اور جس کی بابت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے ذاتی مشاہدے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے:

> 'ہندستان کے باہر شاید دنیا کے کسی ملک نے ایسے آتش نوا، ایسے شعلہ بیان اور ایسے طوفان خیز مقرر پیدا کیے ہوں جو مولانا آزاد کی ہمسری کا دعویٰ کرسکیں۔'

مولانا آزاد ایک بے مثال مدبر اور مستقبل پر نظر رکھنے والے انسان تھے۔ ان کے سیاسی نظریات سے بعض کو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن ان کے خلوص وتدبر پر شبہ نہیں کیا جاسکتا خصوصاً ان کی ژرف نگاہی اور دقیقہ سنجی جس کو کام میں لاکر انھوں نے مستقبل کے پردے میں جھانکنے کی کامیاب کوشش کی اور اپنے لیے جس راہِ عمل کا انتخاب کیا اس پر پوری عزیمت اور صدق دلی سے آگے ہی بڑھتے رہے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا نے انگریز حکومت کی مخالفت اس وقت کی جب انڈین نیشنل کانگریس کے بیش تر سیاسی رہنماؤں کے سامنے مستقبل کا کوئی نقشہ نہ تھا جب کہ مولانا آزاد چشمِ تصور سے آزادی کا سورج طلوع ہوتے دیکھ رہے تھے۔ مولانا کی اسی بصیرت سے متاثر ہوکر سراسیٹورڈ کرپس نے کہا تھا۔

> 'میں نے ایسا بالغ نظر، دوررس اور دور بیں سیاست داں نہیں دیکھا۔'

لیکن ان کا یہی تدبر اور یہی بصارت اردو زبان وادب کے لیے ایک المیہ بن گیا کیوں کہ اس نے مولانا کو ہم سے نہیں خود ان سے بھی چھین لیا اور انھوں نے سیاست کے جس خاردار کوراہ نوردی کے لیے منتخب کیا اس کے کانٹوں نے آخر تک ان کے دامن کو نہ چھوڑا۔ وہ خود اس کا اعتراف کرکے کہتے ہیں جیسے غالب کو شاعری نے اپنے لیے پسند کیا تھا اسی طرح سیاسی مشغولیت نے انھیں ڈھونڈ نکالا اور وہ اس کے تقاضے کو ٹال نہ سکے۔

مولانا کی زندگی سوائے آخری چند سالوں کے بڑی ہنگامہ خیز گزری ان کی تخلیقات کا بڑا حصہ جنگِ آزادی کی صعوبتوں کی نذر ہوکر ضائع ہوگیا تاہم جو کچھ محفوظ رہا اس میں صرف 'تذکرہ' اور 'ترجمان القرآن' ان کی ایسی مستقل تصانیف ہیں جو منظرِ عام پر آسکیں۔ 'تذکرہ' کے بعض حصوں پر تاریخی اعتبار سے تنقید کی گئی لیکن اس کے منفرد اسلوب کا اعتراف سب نے ہی کیا۔ ان کی تفسیر 'ترجمان القرآن' میں سورہ فاتحہ کی تفسیر، اصحابِ کہف اور سکندر ذوالقرنین کی شخصیتوں کے تاریخی تعین کو نہ صرف سراہا گیا بلکہ اس کو ایک اجتہاد سے بھی تعبیر کیا گیا لیکن یہ تفسیر بھی ناتمام رہی، اگر اپنے ذہنی خاکے کے مطابق مولانا یہ تفسیر مکمل کرسکتے تو کم ازکم اردو میں یہ ایک بے مثال سرمایہ ہوتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط 'غبارِ خاطر' اور 'کاروانِ خیال' خود ان کی زندگی میں متعدد بار شائع ہوئے۔ علاوہ ازیں علامہ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور غلام رسول مہر کے نام مکاتیب بھی منظرِ عام پر آچکے ہیں جن میں علمیت، ادبیت اور نکتہ سنجی کی ایک شان نمایاں ہے۔ 'آزاد کی کہانی' مولانا کی روزمرہ کی زندگی کی آئینہ دار ہے اور اس میں تکلم بجائے خود ایک فن کا درجہ رکھتا ہے اور بقولِ آلِ احمد سرور، مولانا ابوالکلام اردو میں اس فن کے سب سے بڑے ماہر تھے۔

ڈاکٹر مرضیہ عارف
مکان نمبر 4، اسٹریٹ نمبر 1، ریت گھاٹ روڈ، بھوپال–462001
Mob. 6267843376

سیر المنازل
(مرزا سنگین بیگ)
شریف حسین قاسمی
قیمت: 600 روپے

اردو دُنیا

بہار میں اردو کے مسائل جلد حل کیے جائیں ورنہ اردو کونسل مظاہرہ کرے گی -شمائل نبی

پٹنہ (13 نومبر)۔حکومتِ بہار کے سابق وزیر، بزرگ کانگریسی رہنما اور اردو کونسل ہند کے صدر شمائل نبی نے ایک اخباری بیان جاری کر کے حکومتِ بہار کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اردو کے دیرینہ مسائل کو جلد از جلد حل کرے، ورنہ اردو کونسل ہند اپنے مطالبات کو منوانے، اردو آبادی کو بیدار کرنے اور حکومت کو خبردار کرنے کے لیے 'ایک روزہ تحفظِ اردو مظاہرہ' کرے گی۔انھوں نے تفصیل سے بتایا کہ بہار کے اردو کے دو بڑے اداروں اردو مشاورتی کمیٹی اور بہار اردو اکادمی کی تشکیلِ نو گذشتہ چھے برسوں سے بھی زائد عرصے سے نہیں کی جارہی ہے جس کی وجہ سے سرکاری سطح پر بہار میں اردو کی ترقی اور فروغ کا کام رک گیا ہے۔ اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے بارہ ہزار امیدواروں کو کامیاب کر دینے کے بعد ان کو دوسری لسٹ نکال کر ناکام کر دیا گیا ہے جس کے سبب یہ سارے امیدوار گذشتہ نو برسوں سے اپنے مطالبات کو لے کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔ 1294 اسسٹنٹ اردو مترجمین کی بحالی کے لیے دسمبر 2019 میں اشتہار شائع کیا گیا تھا اور اگست 2022 تک پی ٹی، مینس اور کاؤنسلنگ، سارے مرحلے انجام پا گئے، لیکن بہار اسٹاف سلیکشن کمیٹی اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کے نتائج شائع نہیں کر رہی ہے۔ اس درمیان کئی بار اس سلسلے میں کوششیں کی گئیں اور امیدواروں نے مطالبہ واحتجاج بھی کیا لیکن کمیشن کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی ہے۔ اردو کونسل ہند کے ناظمِ اعلا اسلم جاوداں نے کہا کہ ادھر گذشتہ چھے سات برسوں سے یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ اردو اور اردو آبادی کے مسائل کو مسلسل نظرانداز کیا جارہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ محکمۂ تعلیم نے اپنے مکتوب نمبر 1099 مورخہ 15 مئی 2020 کے ذریعے اسکولوں میں اردو کی تعلیم کی لازمیت کو ختم کر دیا اور مانک منڈل سے اردو ٹیچر کو ہٹا کر بہار میں اردو کی تدریس اور اردو ٹیچروں کی بحالی کے راستے کو بند کر دیا ہے۔ بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو کے لیے یہ بے حد تشویش ناک صورتِ حال ہے جس پر گذشتہ کئی برسوں سے ہر سطح سے کوشش کی گئی ہے لیکن حکومت اور محکمۂ تعلیم دونوں اس کو مسلسل نظرانداز کرتے آرہے ہیں۔ اسلم جاوداں نے مزید کہا کہ اردو اسکولوں میں اردو کی کتابیں دستیاب نہیں کرائی جارہی ہیں، اردو میں سوال نامے نہیں دے جاتے ہیں۔ بیان میں یہ بھی کہا گیا کہ یکم جنوری 2025 سے محکمۂ تعلیم اسکولوں میں ڈیجیٹل حاضری کا نظم کر رہا ہے۔ اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کو ان کی مقامی زبان میتھلی، مگہی، انگیکا اور بھوج پوری میں تعلیم دی جائے گی اور نویں کلاس سے بارہویں کلاس تک ہندی اور انگریزی میں تعلیم دی جائے گی۔ حیرت کا مقام یہ ہے کہ اس میں دوسری سرکاری زبان اردو کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ 'ایک روزہ تحفظِ اردو مظاہرہ' کے سلسلے میں تمام مذہبی، لسانی، ملّی، سماجی، سیاسی اور اردو تنظیموں سے رابطہ قائم کر کے اس کو زبردست کامیابی سے ہمکنار کیا جائے گا اور اردو اقلیتی آبادی کے مسائل واحتجاج کو بہار کے مختلف گوشوں میں پہنچایا جائے گا۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

فراقؔ نے ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور انسانی اقدار کی آبیاری کی ہے: آفتاب احمد آفاقی

شعبۂ اردو بی ایچ یو میں دوروزہ قومی سمینار 'فراق گورکھپوری: حیات اور ادبی خدمات' کا انعقاد

وارانسی (پریس ریلیز، 13 نومبر)۔شعبۂ اردو بنارس ہندو یونی ورسٹی کے زیرِ اہتمام بہ تعاون اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، دوروزہ قومی سمینار (13-14 نومبر 2024) بہ عنوان 'فراق گورکھپوری: حیات اور ادبی خدمات' کا انعقاد کیا گیا جس کا افتتاحی اجلاس یونی ورسٹی کے آر. کے. ہال میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت ڈین فیکلٹی آف آرٹس اور انگریزی کے ممتاز اسکالر پروفیسر میا شنکر پانڈے نے کی۔ اپنے افتتاحی خطاب میں انھوں نے کہا کہ یہ اردو زبان کی خوش نصیبی ہے کہ اس نے فراقؔ جیسا عظیم شاعر اس ملک کو عطا کیا۔ فراقؔ انگریزی زبان کے ماہر تھے، انگریزی زبان کے لیے ان کی گراں قدر خدمات ہیں لیکن اردو نے انھیں شہرتِ دوام بخشی۔ ہندی کے ممتاز ادیب پروفیسر اودھیش پردھان نے فراقؔ کی عظمت اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ فراق کی شاعری کا خمیر اسی سرزمین میں تیار ہوا۔ انھوں نے بہت سی پرانی قدروں کا احیا اپنی شاعری کے ذریعے کیا اور فراقؔ ہندی میں بھی اسی طرح پڑھے جاتے ہیں جیسا کہ اردو میں۔ اردو زبان ہماری مشترکہ تہذیب کی علامت ہے اور فراقؔ اس خوب صورت زبان کے عظیم شاعر ہیں، ان کی شاعری ہندی اردو دونوں میں مشترک ہے وہ تا عمر شعر وادب کی آبیاری کرتے رہے۔ معروف اردو ادیب پروفیسر ارتضیٰ کریم نے فراقؔ کی حیات وخدمات پر بہت جامع گفتگو کی اور کہا کہ فراقؔ کی شاعری میں ہندستان کا دل دھڑکتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری اور نثر دونوں کے ذریعے زبان وادب کو مالا مال کیا اور شاعری کے ڈکشن کو ہندستانی لب ولہجے سے جوڑا ہے۔ اپنے کلیدی خطبے میں اردو کے ممتاز ادیب شمیم طارق نے فراقؔ کی غزلوں، نظموں اور رباعیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ فراقؔ جدید غزل کے معمار ہیں۔ وہ شاعری میں نت نئے تجربے کرتے رہے، اسی لیے ان کی شاعری میں تنوع ہے۔ ان کی شخصیت اور فن دونوں نے پورے ہندستانی ادب کو متاثر کیا ہے۔ انھوں نے فراق کے کلام، افکار ونظریات اور ادبی کارناموں پر مفصل روشنی ڈالی اور کہا کہ فراقؔ نے خدائے سخن میر تقی میرؔ کی پیروی کی ہے اور اپنی شاعری سے ہر ایک دل کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ اسی لیے میرؔ کا سا سوز وگداز ان کے کلام میں ملتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندستانی زبان وادب کی جن عظیم شخصیات نے اردو کو امتیاز بخشا ان میں سرِفہرست نام رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کا ہے۔ ان کی ادبی وشعری خدمات کی معترف پوری اردو دنیا ہے۔ صدر شعبۂ اردو پروفیسر آفتاب احمد آفاقی نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ فراقؔ نے زبان وادب کے ساتھ ملک کی مشترکہ تہذیب اور انسانی اقدار کو اپنے شعر وادب کے ذریعے فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی۔ عہدِ حاضر میں ان کی اہمیت اور معنویت کو اجاگر کرنے کے مقصد سے شعبۂ اردو بنارس ہندو یونی ورسٹی نے اس دوروزہ قومی سمینار کا انعقاد کیا ہے تاکہ فراقؔ کے ادبی مشن کو آگے بڑھایا جائے اور نئی نسل فراقؔ کے علمی وادبی کارناموں سے بہ خوبی واقف ہو سکے۔

دوروزہ قومی سمینار کا افتتاحی اجلاس یونی ورسٹی کے بانی پنڈت مدن موہن مالویہ کے مجسّمے کی گل پوشی سے ہوا، انھیں گلہائے عقیدت پیش کی گئی۔ اس موقعے پر مہمانوں کا استقبال پھول، شال اور مومینٹو سے کیا گیا، ساتھ ہی یونی ورسٹی کے شعبے کی اردو خدمات کی ستائش اور سمینار کے انعقاد کو ایک خوش آئند قدم قرار دیا گیا۔ نظامت کے فرائض شعبے کے استاد ڈاکٹر مشرف علی نے انجام دے اور شکریے کی رسم ڈاکٹر احسان حسن نے انجام دیے۔ جلسے میں شعبے کے اساتذہ ڈاکٹر قاسم انصاری، ڈاکٹر عبدالسمیع اور ڈاکٹر رقیہ بانو سمیت ملک کی مختلف جامعات سے تشریف لائے ادیبوں اور قلم کاروں نے شرکت کی۔ علاوہ ازیں یونی ورسٹی کے دیگر شعبوں کے اساتذہ، ریسرچ اسکالرز، طلبہ وطالبات نے خاصی تعداد میں شرکت کی۔ افتتاحی اجلاس کے بعد فراقؔ کی یاد میں مشاعرے کا اہتمام کیا گیا جس میں اردو ہندی کے اہم شعرا بالخصوص شمیم طارق، اشہد کریم الفت، محمد عقیل، عالم بنارسی، ثمر غازی پوری، احمد اعظمی، ضیا احسنی، شمیم غازی پوری، عبدالرحمٰن، ظفر مہدی اور اسجد رضا نے اپنے عمدہ کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ مشاعرے کی صدارت ممتاز ہندی شاعر وادیب پروفیسر وششٹھ انوپ نے کی اور نظامت کے فرائض سرور ساجد نے انجام دیے۔

مولانا ابوالکلام آزاد، آزاد ہندستان میں تعلیم کے کلیدی معمار تھے-امتیاز کریمی

پٹنہ (11 نومبر)۔ بھارت رتن مولانا ابوالکلام آزاد کے یومِ پیدائش کی مناسبت سے قومی یومِ تعلیم کے موقعے پر مولانا آزاد پیرا میڈیکل ٹریننگ سنٹر اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، دیدارگنج، پٹنہ کے کانفرنس ہال میں ایک سمینار کا انعقاد عمل میں آیا جس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے سابق ضلع مجسٹریٹ، سینئر آئی اے ایس شری رام بہادر یادو شریک ہوئے جب کہ مہمانِ اعزازی کی حیثیت سے بہار پبلک سروس کمیشن کے سابق چیئرمین امتیاز احمد کریمی نے شرکت کی۔ پروگرام کی صدارت ادارے کے انتظامی ڈائرکٹر جناب حمیداللہ پالوی نے فرمائی۔ قومی یومِ تعلیم تقریب میں خطاب کرتے ہوئے امتیاز احمد کریمی نے کہا کہ مولانا ابوالکلام آزاد پہلے وزیرِ تعلیم کے طور پر 1947 سے 1958 کے درمیان قوم کی خدمت انجام دی۔ وہ ایک مصلح، مجاہدِ آزادی، ممتاز عالم اور ایک نامور ماہرِ تعلیم تھے جو تعلیم کے ذریعے قوم کی تعمیرِ نو کے لیے پُرعزم تھے۔ جناب کریمی نے بتایا کہ مولانا آزاد کی پیدائش 11 نومبر 1888 کو ہوئی تھی۔ وہ آزاد ہندستان میں تعلیم کے کلیدی معمار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ یہ دن ملک کی تعمیر، ادارہ سازی اور تعلیم کے میدان میں مولانا آزاد کی مثالی خدمات کو یاد کرنے کے لیے منایا جاتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ 'اسکول وہ تجربہ گاہیں ہیں جو ملک کے مستقبل کے شہری پیدا کرتی ہیں'۔ مولانا آزاد نے خواتین کے لیے تعلیم اور 14 سال تک کے بچوں کے لیے مفت اور لازمی پرائمری تعلیم کی بھی وکالت کی۔ جناب کریمی نے بتایا کہ مولانا آزاد اعلا تعلیم، تکنیکی اور سائنسی تحقیق اور عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ علم پر مبنی جدید اداروں کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے مشرقی علوم وادب میں تحقیق کو بھی فروغ دیا۔ تاریخ ان کی خدمات اور ان کے کارنامے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ استقبالیہ کلمات مولانا آزاد پیرا میڈیکل ٹریننگ سنٹر اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے کوآرڈی نیٹر ڈاکٹر عقیل صدیقی نے پیش کیے۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

میانِ من وتو
(تحقیقی و تنقیدی مضامین)
پروفیسر شاہد کمال
قیمت: 500 روپے

معاون اردو مترجمین کے کامیاب امیدواروں کا وفد رکنِ قانون ساز کونسل پروفیسر غلام غوث سے ملا

پٹنہ (8 نومبر)۔ معاون اردو مترجمین کے عہدے پر بحالی کے لیے منتخب و کامیاب قرار دیے گئے امیدواروں کا ایک وفد جے ڈی یو کے رکنِ قانون ساز کونسل پروفیسر غلام غوث سے ان کی سرکاری رہائش گاہ پر ملا اور گذشتہ پانچ سالوں سے اپنی بحالی میں بار بار ہو رہی تاخیر کے سلسلے میں انھیں تفصیلی معلومات فراہم کرائی اور ساتھ ہی ساتھ اس معاملے میں بروقت مداخلت کی گزارش کی۔ وفد میں شہباز اختر (پٹنہ)، مناظر حسین، محمد عاشق الٰہی رحمانی (ارریہ)، نعیم اختر (سارن) اور محمد انتخاب (راجگیر نالندہ) شامل تھے۔ وفد کی باتوں کو غور سے سننے کے بعد پروفیسر غلام غوث نے اس معاملے کو بہت سنجیدگی سے لیتے ہوئے فوراً بہار اسٹاف سلیکشن کمیشن کے چیئرمین اور محکمۂ اقلیتی فلاح کے سکریٹری محمد سہیل کو فون کیا اور ان سے معاون اردو مترجمین کے 1294 عہدوں پر جلد بحالی کی بات کہی جس پر محمد سہیل نے پروفیسر غلام غوث کو یقین دہانی کرائی کہ رواں ماہ نومبر کے آخر تک معاون اردو مترجمین کے عہدوں پر بحالی کے لیے فائنل میرٹ لسٹ جاری کر دی جائے گی۔ وہ اس معاملے میں سارے مرحلے انجام دلوا چکے ہیں اور سارے کام تقریباً مکمل ہو چکے ہیں۔ اب مزید کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔ اس کی مثبت یقین دہانی پر پروفیسر غوث نے اطمینان کا اظہار کیا لیکن ساتھ ہی ان سے یہ بھی کہا کہ اب نومبر سے آگے مزید انتظار کی نوبت نہیں آنی چاہیے کیوں کہ معاون اردو مترجمین کے عہدوں پر بحالی کے لیے دسمبر 2019 میں بہار اسٹاف سلیکشن کمیشن نے اشتہار جاری کیا تھا اور پی ٹی امتحان 28 فروری 2021 کو ہوا تھا جس میں 5322 امیدوار کامیاب قرار دیے گئے تھے جنھیں مینس امتحان میں شرکت کی اجازت دی گئی تھی۔ 19 ستمبر 2021 کو ان منتخب امیدواروں نے مینس امتحان دیا جس میں سے 1374 امیدوار کامیاب قرار دیے گئے اور انھیں پہلی کاؤنسلنگ میں 26 جولائی سے 8 اگست 2022 کے درمیان بہار اسٹاف سلیکشن کمیشن کے دفتر بلایا گیا۔ چار مرحلوں کی کاؤنسلنگ میں اب تک 2227 امیدوار شریک ہوئے جن کی کاؤنسلنگ مکمل ہو چکی ہے۔ بعد کے مرحلوں میں بھی کچھ چھوٹے ہوئے امیدواروں کو کاؤنسلنگ میں شامل ہونے کے مواقع فراہم کیے گئے، جس کے سبب امیدواروں کی تعداد بڑھ کر 2227 ہوئی۔ معاون اردو مترجمین کے 1294 عہدوں کے لیے بہار اسٹاف سلیکشن کمیشن کو فائنل میرٹ لسٹ شائع کرنی ہے جس کی بنیاد پر کامیاب امیدواروں کی بحالی ہو سکے گی۔ پروفیسر غوث نے چیئرمین سے ٹیلی فون پر ہوئی اپنی باتوں کے حوالے سے معاون اردو مترجمین کے امیدواروں کے وفد کو یقین دہانی کرائی کہ وہ اس معاملے میں پوری سنجیدگی سے آئندہ بھی کام کریں گے اور ضرورت پڑی تو آئندہ اجلاس میں اس معاملے کو اٹھائیں گے بھی۔ پروفیسر غلام غوث نے کہا کہ انھوں نے معاون اردو مترجمین کی بحالی میں مسلسل تاخیر کے معاملے پر گذشتہ سال وزیر اعلا نیتیش کمار سے بھی ملاقات کی تھی اور ان کی توجہ اس مسئلے کی جانب مبذول کرائی تھی جس پر وزیر اعلا نے فوراً نوٹس لیتے ہوئے پرنسپل سکریٹری ڈاکٹر ایس سدھارتھ کو ہدایت دی تھی۔ انھوں نے اس معاملے کو ایوان میں بھی اٹھایا تھا اور اس درمیان کئی بار پہلے بھی چیئرمین سے بات کی تھی۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

خدا بخش لائبریری میں قومی یومِ تعلیم کے موقعے پر مولانا ابوالکلام آزاد پر کتابوں کی نمائش

پٹنہ (11 نومبر)۔ مولانا ابوالکلام آزاد کثیر الجہات دانشور تھے۔ وہ آزاد ہندستان کے پہلے وزیرِ تعلیم تھے، اسی مناسبت سے ہر سال 11 نومبر کو قومی یومِ تعلیم کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس موقعے پر خدا بخش لائبریری میں کتابوں کی نمائش لگائی گئی جس میں مولانا آزاد کی تصنیف کردہ کتابوں کے ساتھ ان کے مختلف جہات پر لکھی گئی اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں کی کتابیں بھی شامل کی گئیں۔ بیسویں صدی میں ہندستان میں بیداری لانے والے نام نہاد قائدوں میں مولانا آزاد کا بھی ایک اہم نام ہے۔ مولانا آزاد نے اپنے لیے جو راستہ اختیار کیا وہ گنگا جمنی تہذیب اور سیکولرزم کا راستہ تھا۔ اگر ہم نے اپنی زندگی میں مولانا آزاد کے طرزِ فکر کو اتار لیا تو اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ ملک کے مستقبل کو محفوظ کر لیا۔ مولانا آزاد کے افکار و خیالات سے طالبِ علموں کے لیے فکری دروازے کھلتے ہیں۔ تحریکِ آزادی میں مولانا آزاد پیش پیش رہے۔ تحریکِ آزادی میں مولانا آزاد کے اخبار 'الہلال' کے رول سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی زمانے میں مولانا کا ایک مضمون بہ عنوان 'اسلام اور نیشنلزم' شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے انسانی مساوات کو زندگی کا لائحۂ عمل بنا کر پیش کیا ہے۔ مولانا آزاد نے تعلیم کے ذریعے ہندستان کو دوسرے ممالک سے جوڑ دیا۔ مولانا آزاد نے وزیرِ تعلیم رہتے ہوئے کئی غیر معمولی تعلیمی ادارے قائم کیے جس کا فیض آج بھی جاری ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام بہ اشتراک کالی کٹ یونیورسٹی (کیرالا)

'غالب شناسی: عہدِ حاضر کے آئینے میں' کے موضوع پر منعقدہ دو روزہ قومی سمینار اختتام پذیر

ملاّپورم (پریس ریلیز، 6 نومبر)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام بہ تعاون کالی کٹ یونیورسٹی (ملاپورم، کیرالا) دو روزہ (5 تا 6 نومبر 2024) قومی سمینار بعنوان 'غالب شناسی: عہدِ حاضر کے آئینے میں' اختتام پذیر ہوا۔ سمینار کے دوسرے دن چار ادبی اجلاس منعقد ہوئے۔ پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر پی. کے. ابوبکر نے کی۔ صدارتی تقریر میں انھوں نے کہا کہ غالب کی عصری معنویت کا سبب یہ ہے کہ ہمارے عہد کے بیش تر مسائل وہی ہیں جن کو غالب نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے جنت کے وجود پر شک کیا ہے، آج بھی ایسے لوگ مل جائیں گے جن کو جنت کا وجود قبول نہیں لیکن ان میں اظہار کی جرأت نہیں۔ غالب کے یہاں شک کے ساتھ جرأت بھی ہے۔ اس اجلاس میں پروفیسر سیّد ثناء اللہ نے 'غالب کی معنویت عصرِ حاضر کے آئینے میں'، ڈاکٹر محمد امان اے۔ کے نے 'فکرِ غالب اور جدید نسل'، ڈاکٹر عائشہ صدیقہ جے نے 'مرزا غالب کی شاعرانہ عظمت کے بنیادی عناصر'، جناب عارف این. نے 'ملیالی غالب شناس: کے پی اے صمد' اور محترمہ رشیدہ ایم نے 'غالب کا تصورِ حیات' کے موضوع پر مقالات پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت کا فریضہ محترمہ فاطمہ منہا نے انجام دیا۔

دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر سید ثناء اللہ نے کی۔ انھوں نے کہا کہ غالب شناسی ایک وسیع موضوع ہے۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ یہاں ہر شخص نے نیا زاویہ تلاش کرنے اور نئی بات کہنے کی کوشش کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر محمد سلیم. پی نے 'غالب کی غزلوں میں فکری تحریفات کا دخل'، پروفیسر قاضی حبیب احمد نے 'غالب ایک ہمہ زمانی شاعر'، محترمہ ممتاز سی۔ ایچ نے 'غالب کی تخلیقات میں جنگِ آزادی کے اثرات'، جناب وی ایم ابراہیم نے غالب شناسی کے چند زاویے'، ڈاکٹر ثمینہ بی کے. کے نے 'اردو شاعری میں غالب کے اثرات'، ڈاکٹر قمر النسا کے. نے 'غالب اور سیکولرازم'، محترمہ خیر النسا این. پی. نے 'غالب اور انسانیت'، کے موضوع پر مقالے پیش کیے۔ اس اجلاس کی نظامت محترمہ شمناس نے کی۔ تیسرے اور آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر قاضی حبیب احمد نے کی۔ اپنی تقریر میں انھوں نے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ نے جنوبی ہند میں سمینار کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ خطہ بہت زرخیز ہے اگر توجہ کی جائے تو یہاں سے اردو کے حق میں بہت دور رس نتائج برآمد ہوں گے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر محمد رضوان انصاری نے 'غالب اور سائنس'، ڈاکٹر شمس الدین کے. پی نے 'ملیالم میں غالبیات'، جناب شہاب الدین پی نے 'غالب بہ حیثیت جدیدیت کے پیغمبر'، ڈاکٹر شیخ افسر پاشا نے 'مرزا غالب کا تصورِ عشق دورِ حاضر کے آئینے میں'، پروفیسر کے ایم شریف نے 'کلامِ غالب اور ترجمے، کامیابیاں اور نارسائیاں'، ڈاکٹر محیی الدین کٹی نے 'غالب کی شاعری میں عصرِ حاضر کے مسائل کی عکاسی' کے موضوع پر مقالات پیش کیے۔ سمینار کے بعد کُل ہند مشاعرے کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر سید سجاد حسین ظہیر اور ڈاکٹر این محیی الدین کٹی نے کی اور نظامت کا فریضہ جناب صدام حسین پرواز نے ادا کیا۔ مشاعرے میں پروفیسر سیّد سجاد حسین ظہیر، ڈاکٹر محیی الدین کٹی، جناب حمید کے، جناب فیصل وفا، جناب این عبد الصمد، جناب انیس سی، جناب منیر پی، جناب علی تلوار اور جناب صدام حسین پرواز نے اپنے کلام پیش کیے۔

◆◆◆

رفتید ولے نہ از دلِ ما

ضیا فاروقی

بھوپال۔ اردو کے مشہور و ممتاز ادیب اور شاعر ضیا فاروقی 12 نومبر 2024 کی صبح ساڑھے دس بجے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ضیا فاروقی کم و بیش ایک درجن کتابوں کے مصنف تھے جن میں 'تذکرۂ مورخین'، 'مشاہیرِ سندیلہ' اور 'مرقعِ بنارس' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ انھیں ملک کی مختلف اکیڈمیوں اور اداروں کی جانب سے کئی پُر وقار انعامات اور اعزازات سے نوازا گیا تھا۔

ضیا فاروقی صاحب 12 ستمبر 1947 کو اتر پردیش کے ضلع ہردوئی کے شہر سندیلہ میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے کان پور یونی ورسٹی سے گریجویشن کیا اور یونی ورسٹی میں ہی چالیس برس تک ملازمت کی۔ اِدھر گذشتہ تقریباً پندرہ برسوں سے وہ بھوپال میں مقیم رہے ہیں۔ وہ زندگی کے آخری ایام تک انتہائی فعال رہے۔ ضیا فاروقی صاحب کے والد کا نام چودھری عالم رضا ہے جن کا سلسلۂ نسب قاضی مبارک سے جا ملتا ہے جن کا مزار درگاہ نظام الدین میں مرجعِ خلائق ہے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

میرا جنون اُردو
(خطبات و مضامین)
طاہر محمود
قیمت: 700 روپے

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **کورنٹائن سینٹر**
(کووڈ-19 کے تعلق سے لکھے گئے افسانچے)
مصنّف : ملیح الزماں
ضخامت : 128 صفحات
قیمت : 250 روپے
ناشر : ایم.آر. پبلی کیشنز، 10 میٹرو پول مارکیٹ
2724-25، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی-110002
تبصرہ نگار : عبدالصمد

پینتالیس، پچاس برس پہلے سہسرام کی سرزمین سے ایک ایسے فن کار نے جنم لیا جس کی اُٹھان اور تیور بتا رہے تھے کہ یہ اپنی زندگی میں بڑا نام کرے گا۔ نام تو اُس نے ضرور کیا، مگر دوسری صورت میں۔ اس فن کار کو اوائل میں ہی ٹریڈ یونینزم لے اُڑی اور وہ ایک اہم ٹریڈ یونین رہنما کی صورت میں سامنے آیا۔ اُس کی فن کاری اپنا منہ بسورتی رہ گئی۔

سہسرام ادب کے معاملے میں بہت زرخیز علاقہ ہے۔ وہاں قریے قریے میں ابھی بھی ادب بستا ہے۔ ملیح الزماں، جو ایم زیڈ خان کے نام سے معروف ہیں، کو بہ حالتِ مجبوری سہسرام نہ چھوڑنا پڑتا تو آج سہسرام میں اُردو افسانہ نگاری کی دنیا میں ایک اہم اور خوشگوار اضافے کا ہم ذکر کر رہے ہوتے۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ ملیح الزماں کی زندگی سپاٹ رہی اور وہ صرف مزدوروں کے لیے آواز بلند کرتے رہ گئے۔ گاہے گاہے وہ اپنی مختلف تحریروں سے چونکاتے رہے، اور اپنے پڑھنے والوں کو اس حسرت میں مبتلا کرتے رہے کہ کاش یہ شخص سب کچھ چھوڑ کر صرف ادبی شغل میں مصروف رہتا۔ بہرحال خواہشیں تو بس وہی ہوتی ہیں کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔

ملیح الزماں نے ہمیں پوری طرح مایوس نہیں کیا۔ 'کورونا' کو جہاں کوسنے دیجیے، وہاں یہ شکریہ بھی ادا کیجیے کہ اس نے ملیح الزماں کے بند تخلیقی سوتے میں ایسی دستک دی کہ یہ بے ساختہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

'کورنٹائن سینٹر' کورونا کے تعلق سے تحریر کی گئی مختصر کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ ایسی کہانیوں کو 'افسانچے' کا نام دے دیا گیا ہے۔ میں افسانچے کا بہت قائل نہیں تھا، مگر ملیح الزماں نے ان تمام افسانچوں کو اس ہنرمندی اور خلوص کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ سارے افسانچے اپنے آپ میں مکمل افسانے بن گئے ہیں۔ انھوں نے موضوعات کا ایسی ذہانت سے انتخاب کیا ہے کہ ان پر اگر کئی صفحات پر مشتمل افسانے لکھے جائیں پھر بھی بات وہی رہے گی جو ملیح الزماں کے افسانچوں میں پڑ گئی ہے۔ ان افسانچوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو تحریری شکل میں لانے والا ایک باشعور شخص ہے جسے اپنی بات مختصر اور مکمل طور پر کہنے کا سلیقہ معلوم ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ اُسے کیا کہنا ہے اور کس طرح اپنی بات کو موثر انداز میں پڑھنے والوں تک پہنچانا ہے، اور ان سب باتوں کے علاوہ اُسے یہ بھی خوب معلوم ہے کہ اُسے کیا نہیں کہنا ہے۔ اس ہنرمندی کی وجہ سے ملیح الزماں کے سارے افسانچے مکمل افسانوں میں ڈھل گئے ہیں۔ ملیح الزماں نے اپنا بند دروازہ خود کھولا ہے اور ہمیں توقع ہے کہ یہ تخلیقی باب اب کبھی بند نہیں ہوگا۔

◆◆◆

نام کتاب : **مناظر عاشق ہرگانوی کے ادبِ اطفال کی تفہیم**
مرتبہ : ڈاکٹر امتہ الحئی زیبی
ضخامت : 160 صفحات
قیمت : 200 روپے
ناشر : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج،
نئی دہلی-110002
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی شخصیت ایک فعال، متحرک اور کثیر الجہات ادیب کی رہی ہے۔ وہ بیک وقت شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار، معلم، ڈراما نگار، مترجم، سوانح نگار، مدیر وغیرہ تھے۔ انھوں نے جہاں بڑوں کے لیے ادب تخلیق کیا وہیں بچوں کے لیے بھی کہانیاں اور نظمیں تخلیق کیں۔ موصوف نے بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے کے سلسلے کا آغاز 1964 میں کیا۔ ابتدا میں ان کی کہانیاں ملک کے موقر رسائل وجرائد میں شائع ہوئیں۔ بعد میں ان کے بچوں کی کہانیوں کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ بچوں کے لیے ان کا پہلا ناول 'انوا' 1975 میں [اسٹیونسن کے انگریزی ناول Kidnapped کا اُردو ترجمہ] اور بچوں کے لیے کہانیاں 'دوستی' 1979 میں شائع ہوئیں۔ بچوں کے لیے انھوں نے شکاریات پر مبنی کہانیاں 'خالق چچا نے شکار کھیلا' 1997 میں اور بچوں کی اینتھولوجی پر مبنی کتاب 'اُردو میں بچوں کا ادب' 2002 میں منظرِ عام پر آئی۔ بچوں کے ادب پر ان کی پہلی تنقیدی کاوش 'اُردو میں بچوں کا ادب' 2015 میں اشاعت پذیر ہوئی۔ بچوں کے ادب سے متعلق ان کی پانچ (5) تنقیدی کتابیں، دس (10) افسانوی مجموعے اور سولہ (16) ناول منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ساہتیہ اکادمی نے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے کہانیوں کے مجموعے 'جیسے کو تیسا' کو انعام برائے ادبِ اطفال 2010 سے سرفراز کیا۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی شخصیت اور ادبی کارناموں پر لاتعداد کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ خود موصوف کی بھی اُردو ادب کی مختلف اصناف پر سیکڑوں کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ اس وجہ سے ان کی زود نویسی اُردو ادب میں مشہور ہے۔

ڈاکٹر امتہ الحئی زیبی نے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی وفات (یکم اپریل 2021) کے بعد، بچوں کے لیے لکھے افسانوں، ناولوں وغیرہ پر لکھے گئے مقالات، تجزیوں اور مضامین کو کتاب 'مناظر عاشق ہرگانوی کے ادبِ اطفال کی تفہیم' میں یک جا کیا ہے۔ موصوفہ نے اپنے پیش لفظ میں مناظر عاشق ہرگانوی کی گوناگوں شخصیت کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے مناظر عاشق ہرگانوی کے ادبی کارناموں پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ 'پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی صاحب نے بچوں کے ادب پر بھی خصوصی توجہ دی ہے، جن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ماہر لسانیات بھی ہیں۔ کیوں کہ تنقید، افسانہ، شاعری اور صحافت پر کتابیں لکھنے کے ساتھ بچوں کے لیے ادب تخلیق کرنا آسان کام نہیں۔' (ص5)

زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر امتہ الحئی زیبی نے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے ادبِ اطفال سے متعلق جن قلم کاروں کے مضامین شامل کیے، ان میں پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، پروفیسر قمر رئیس، ڈاکٹر فہیم اعظمی، مسعود احمد برکاتی، ڈاکٹر خوشحال زیدی، احسان ثاقب، ڈاکٹر عشرت بیتاب، ڈاکٹر فراز حامدی، ایم یوسف انصاری، پروفیسر محفوظ الحسن، ڈاکٹر مشتاق احمد، ڈاکٹر حسن امام درد، ڈاکٹر امام اعظم، ڈاکٹر رضوان انصاری، ڈاکٹر عطا عابدی، صفی الرحمٰن راعین، ڈاکٹر وصیہ عرفانہ، ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی، ڈاکٹر غلام نبی کمار، ڈاکٹر ریحانہ محمد علی، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر اسلام عشرت، ڈاکٹر محمد احسان عالم، ڈاکٹر محمد پرویز، استوتی اگروال، ترنم جمال، ڈاکٹر محمد فاروق اعظم اور ڈاکٹر محمد امان اللہ خاں کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

مذکورہ بالا مضامین پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی زندگی میں ہی شائع ہو چکے تھے۔ ان مضامین میں اہلِ علم وقلم نے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے بچوں کے ادب بالخصوص بچوں کے فکشن سے متعلق کی گئی خدمات کا احاطہ کیا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے موصوف کی کہانیوں کے مجموعے 'دوستی' کے بارے میں لکھا ہے کہ مناظر صاحب نے اپنی کہانیوں میں اخلاقی درس زیادہ دیا ہے اور ان کے قاری ننھے بچے نہیں بلکہ بالیدہ بچے زیادہ ہیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے موصوف کے بچوں کے لیے لکھی گئی کہانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ موصوف کی کہانیوں میں بچوں کے اندر تہذیب وتربیت کی پرورش کرنے کی غرض سے کامیاب کہانیاں لکھی ہیں۔ ڈاکٹر خوشحال زیدی نے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ مناظر عاشق ہرگانوی کی تخلیقات اُردو ادبِ اطفال کا بہترین سرمایہ ہیں۔ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا وہ بچوں کے لیے ہے۔ بچوں کی اپنی زبان اور بچوں کے اپنے انداز میں...! (ص28) فراز حامدی نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے سبب انھیں بچوں کا محبوب کہانی کار تسلیم کیا ہے۔

بچوں کا ادب لکھتے وقت پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے بچوں کی نفسیات کو اپنے پیشِ نظر رکھا۔ وہ بچوں کے اندر موجود تجسس کے سہارے اپنی کہانیوں کا تانا بانا تیار کرتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں جہاں حکمت آمیز درس موجود رہتا ہے وہیں وہ بچوں کی ذہنی نشو ونما کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ انھوں نے مہماتی کہانیوں کے علاوہ سائنسی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے تکنیکی کہانیاں بھی تخلیق کیں۔ دراصل مناظر عاشق ہرگانوی اپنی کہانیوں کے ذریعے نسلِ نو کی تربیت کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اساطیری کہانیوں میں پریوں، جنات اور تاریخی واقعات کو بڑی ہنرمندی سے بچوں کے سامنے پیش کیا۔ ان کی کہانیوں میں منظر نامے کو خاص فوقیت حاصل ہے۔ وہ اپنی کہانیوں میں بچوں کی دل چسپی کے مناظر کو پیش کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے بار بار کہا کہ میں جب بھی کہانی لکھتا ہوں تو بچہ بن کر لکھتا ہوں۔ اس بنا پر گیان چند جین نے انھیں 'بچوں کا عاشق' کے لقب سے سرفراز کیا۔

زیرِ نظر کتاب میں شامل تمام مضامین کی تفہیم یہاں ممکن نہیں لیکن ان تمام مضامین میں مناظر عاشق ہرگانوی کی مختلف کہانیوں کے مجموعوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ بعض مضامین میں ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس سے مناظر عاشق کی ادبِ اطفال کی جہتوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جب بھی اطفالِ ادب کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا نام جلی حرفوں میں لکھا جائے گا۔

بہرکیف! ڈاکٹر امتہ الحئی زیبی مبارک باد کی مستحق ہیں کہ انھوں نے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے ادبِ اطفال بالخصوص فکشن خدمات پر لکھے مضامین کو زیرِ نظر کتاب میں شامل کیا۔ اُن کا یہ عمل پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی کوشش ہے۔ بے شک مناظر صاحب اب ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کی مختلف ادبی جہتیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی مختلف جہتوں پر تحقیقی وتنقیدی کام منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مناظر عاشق ہرگانوی اُردو کے ہر دل عزیز ادیب تھے اور ان کے مداح ملک کی مختلف ریاستوں میں موجود ہیں۔

◆◆◆

بقیہ: حکیم سیّد قمر الحسن: بھوپال کی صحافت وثقافت کے مہرِ منیر

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

تو انھوں نے دفتر آنے کی خواہش ظاہر کی، حکیم صاحب نے سختی کے ساتھ منع کر دیا کہ ابھی انھیں (محمود صاحب) کو آرام کی ضرورت تھی جب یہ مدت بھی طویل ہوگئی اور محمود صاحب آرام سے اُکتا گئے تو ایک دن دفتر آگئے، ان کی آمد پر حکیم صاحب نے اگرچہ خوشی کا اظہار کیا لیکن مدیر کی ذمے داریاں سنبھالنے کے سلسلہ میں نہیں کہا: 'ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے'۔ ان کے اس جواب سے کبیدہ خاطر ہو کر محمود صاحب نے ان سے کہا کہ 'آپ کب تک میرا کام کرتے رہیں گے۔ ایسا کیجیے میری جگہ کسی اور کا تقرر کر لیجیے'۔ حکیم صاحب نے اس پر بڑی سنجیدگی سے جواب دیا 'میرے لیے یہ ناممکن ہے' اس جواب پر محمود صاحب نے ذرا جھنجھلا کر کہا 'تو فی الحال میری تنخواہ بھیجنا بند کر دیجیے'، حکیم صاحب نے مسکرا کر کہا 'یہ بھی نہیں ہوسکتا' محمود صاحب کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ حکیم صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ان سے کہا 'آپ کسی بات کی بالکل فکر نہ کریں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ گھر جائیں۔ آرام کریں۔ میں جب محسوس کروں گا کہ آپ بالکل ٹھیک ہوگئے ہیں تو تمام کام آپ کے سپرد کرنے میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کروں گا۔ اور پھر حکیم صاحب نے کسی کو آواز دے کر محمود صاحب کو ان کی رہائش گاہ تک چھوڑ آنے کو کہا۔ محمود صاحب نم آنکھیں لیے گھر چلے گئے اور حکیم صاحب مسکراتے ہوئے اندر۔

سیّد محمود الحسینی مرحوم اپنی تمام زندگی حکیم صاحب کے اس حسن سلوک کا تذکرہ بڑی عقیدت کے ساتھ کرتے رہے اور ہر موقعے پر جب وہ یہ واقعہ بیان کرتے تھے ان کی آواز بھرا جاتی تھی اور آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

حکیم صاحب کے حسنِ سلوک اور حسنِ عمل کے واقعات بہت سے ہیں جن کو جمع کر کے ایک کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔ یہاں ان کی دلنواز شخصیت کے بارے میں مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ حکیم صاحب کی شخصیت علم و آگہی کے جلال اور اعلا ترین اخلاقی اقدار کے جمال کے دلنشیں امتزاج کا ایک ایسا نمونہ تھی جس پر مرثیۂ غالب میں شامل مولانا حالی کا درج ذیل شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

مظہر شان حسن فطرت تھا
معنی لفظ آدمیت تھا

پروفیسر آفاق حسین صدیقی
D-136, Firdaus Nagar, P.G.B.T. College Road,
DIG Bunglow, Bhopal - 462001 (India)
Mob. 9229673388

بقیہ: غمِ زندگی کے ترجمان- حامد حسن شاد

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

جو ایک متین و مستحکم شخصیت کا خاصہ ہوا کرتی ہے پھر بھی اہم بات یہ کہ شاد نے اپنی خودی و خود داری کو سب پر مقدم رکھا ہے۔ حالاں کہ انھیں شکایت ہے:

سارے جہاں نے کیے ہم پہ تبصرے بہت
سارے جہاں کی ہم تو زباں بن کے رہ گئے

چند اشعار اور دیکھ لیجیے جو سہلِ ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں اور میر جیسی سادگی جن کا طرۂ امتیاز ہے:

تیرگی کا پتہ وہیں سے ملا
روشنی میں جہاں جہاں بھٹکے

دوستوں کی طرف سے تھی امید
کاش اُن سے بھی دشمنی ہوتی

چاند پر جانے والے جا پہنچے
ہم ابھی تک ہنسی اڑاتے ہیں

دور رہتی ہے میری آنکھوں سے
نیند اپنی نہیں، پرائی ہے

الٰہی کوئی حادثہ ہو نہ جائے
اُسے آج پھر مہرباں دیکھتا ہوں

شاد صاحب یہ نیا دور ہے خاموش رہو
ہونٹ کھولے تو یہاں سر نہ دکھائی دے گا

آخر میں شاد صاحب کی غزلوں کے چند منتخب اشعار جو اُن کی شاعری کے فن کو نمایاں کرتے ہیں:

ہاتھ کھولو لکیروں کو پڑھو اور سمجھو
بند مٹھی میں مقدر نہ دکھائی دے گا

ہم ہیں اسیر ایسے رہائی کے خوف سے
لگنے لگا قفس ہمیں گلزار کی طرح

روشنی سے جنھیں نسبت ہی نہیں ہے کوئی
وہ اندھیرے بھی تو امیدِ سحر رکھتے ہیں

عارف عزیز
20-گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 350 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خود نوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمین وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ وآثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

غمِ زندگی کے ترجمان حامد حسن شاؔد

عارف عزیز

حامد حسن شاؔد پر قلم اٹھانا میرے لیے جس قدر آسان ہے اسی قدر مشکل بھی۔ آسان اس لیے کہ ہم کئی سال تک ایک ہی ادارے میں کام کرتے رہے لیکن یہی آسانی میرے لیے مشکل بن گئی ہے۔ ایک طرف اُن کی زندگی ہے جس سے کسی حد تک میں واقف ہوں دوسری جانب اُن کی غزلیں ہیں جو غم والم، مسرت وشادمانی اور حسرت وحرماں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ فن کار کی تخلیقات کے ذریعے اُس کی زندگی اور شخصیت تک پہنچنا، اُس کے حالات وکوائف کا جائزہ لینا، اُس کے تجربات وتفکرات کا تجزیہ کرنا عام تنقید نگاروں کے لیے آسان ہو لیکن میری مشکل یہ ہے کہ شاؔد صاحب مرحوم کی زندگی اور اُن کے فن دونوں ہی میرے پیشِ نظر ہیں۔ اُن کی زندگی کا پرتو اُن کے کلام میں دیکھوں یا اُن کے کلام کے وسیلے سے اُن کی زندگی تک پہنچنے کی سعی کروں۔

سرِ دست میرے سامنے ان کا وہ مجموعۂ کلام ہے جو 'نوید سحر' کے نام سے خود اُنھوں نے اپنی زندگی میں مرتب کیا تھا، اس کی روشنی میں صرف شاؔد کی غزل گوئی سے میں بحث کروں گا کیوں کہ میرے خیال میں شاؔد بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اگر چہ انھوں نے شاعری کی دیگر اصنافِ سخن پر کم اور نثر پر زیادہ خامہ فرسائی کی ہے، تاہم یہ مضمون صرف اُن کی غزل گوئی تک محدود ہے۔

حامد حسن شاؔد کے مجموعۂ کلام کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اُردو شعر وادب کی روایات سے وہ نہ صرف واقف تھے بلکہ ان پر عامل بھی رہے ہیں اور جتنے تیز احساس وشعور کے مالک تھے اتنے ہی غم پسند بھی واقع ہوئے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ فلسفۂ غم کو اردو شاعری میں ابتدا سے بڑی اہمیت حاصل ہے لیکن غم کی کیفیت کا وہ اظہار جو شعر کو آفاقی بنا دے، سخت ریاضت کا متقاضی ہے۔ اِس میں میؔر اور فانؔی بھی اپنی عظمت و انفرادیت کے باوجود داخلی کرب کو ہر جگہ صحت مند نہیں بنا سکے کیوں کہ بڑی چیز ضبطِ غم اور اُسے چیخ میں تبدیل کر دینا ہے مگر یہ چیخ دیوانگی کی نہیں فرزانگی کی ترجمان ہونی چاہیے اور اس کا انتہائی موثر ہونا ضروری ہے۔ حامد حسن شاؔد کی شاعری میں 'غم' ایک غالب عنصر ہے اور اس کی ایمائیت سے موصوف نے اچھے مضامین پیدا کیے ہیں مثلاً:

سمیٹ لائی ہو جیسے غموں کی دنیا کو
ہمارے پاس کچھ اس رنگ سے خوشی آئی

خدا رکھے میرے اِس عزمِ شوق کو قائم
بڑے خلوص سے دل میں غموں کو پالا ہے

غم کی تاریکی کو بھی ہم نے منور کر دیا
تیری محفل میں نہیں ہے ہم سا کوئی شادماں

ہم نے خلوصِ دل سے انھیں دل میں رکھ لیا
جو غم بھی تم نے ہم کو دیے دوستی کے ساتھ

غم جس ناگزیر کیفیت کا نام ہے اِس کا اظہار مذکورہ اشعار میں ملتا ہے لیکن غمِ جاناں کا سلسلہ جس طرح غمِ دوراں تک محیط ہے اس کی فنکارانہ ترجمانی درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے:

آج ہر موڑ پر آج ہر راہ میں
غم بھی ہم کو ملا زندگی کی طرح

جو آشنائے غم تھا وہ ہمرازِ راز ہے
جو ناشناسِ غم تھا وہ پہلو بدل گیا

زندگی کی طرح سے رکھتے ہیں
غم کو دل سے جدا نہیں کرتے

حامد حسن شاؔد کے مجموعۂ کلام میں اِس معیار کے اشعار کم اور روایتی انداز کے اشعار قدرے زیادہ نظر آتے ہیں۔ جن میں فکر کی گہرائی اور اسلوب کی ندرت تو ضرور ملتی ہے لیکن خال خال، اس کے باوجود ہم اُن کی شاعری کو سنجیدہ شاعری کا ایک اچھا نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ جہاں تک شاؔد کی غم پسندی کا سوال ہے وہ اُن کے مزاج سے مماثل نظر آتی ہے کیوں کہ وہ عام زندگی میں بھی اپنے تخلص کے برخلاف ذکی الحس اور زود رنجی کے حامل تھے۔ شاؔد خود تسلیم کریں یا نہ کریں مگر جب اِس طرح کے اشعار کہتے ہیں تو اِس کی تصدیق ہو جاتی ہے:

آباد گھروں کو یہ بنا دیتی ہے ویراں
اس طرح بھی انسان کی غم خوار ہے دنیا

اے دل پوچھ لیں ہم سے پتا چل جائے گا
ہم نے لمحات شبِ غم میں گذارے کتنے

دلِ برباد نے سچ کہتا ہوں سوچا ہی نہ تھا
نالۂ غم میں بدل سکتے ہیں نغمات کبھی

شاؔد روایتوں سے چمٹے رہنے کے قائل نہیں بلکہ وہ نئی راہیں تلاش کرنے اور نت نئے چراغ جلانے کے حامی ہیں:

روایتوں سے پرے ہٹ کے بزم عالم میں
نئے چراغ جلائیں کہ روشنی کم ہے

اور یہ نئے چراغ جلانے کا عزم یونہی پیدا نہیں ہو جاتا، زندگی کے سرد وگرم جھیلتے ہوئے حالات سے ٹکرا ٹکرا کر چور ہونے کے بعد اپنے منتشر اجزا کو سمیٹنا ہوتا ہے۔ یہ عزم وہیں پایا جاتا ہے جہاں ساری عمر جہدِ مسلسل میں گزارنے کا حوصلہ ہو:

آزمانا چاہتا ہوں ظرفِ طوفاں، ناخدا
ورنہ ہر طوفان کو ساحل بنا سکتا ہوں میں

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاعر صرف اپنی ذات کے سمندر میں غوطہ زن ہے اور اپنے ذاتی تجربات کو ہی حاصلِ زندگی سمجھتا ہے بلکہ عالم انسانیت کا درد بھی اُس کے سینے میں موجزن ہے کیوں کہ ایک سچا شاعر اپنے دور کے مصائب سے بے خبر نہیں رہ سکتا:

نیا زمانہ ہے رسمِ کہن کو چھوڑو بھی
اب اپنی بات نہیں ہے سبھی کی بات کرو

آپ سے پہلے بھی کہتے تھے بہت سے رہبر
کوئی اس دور میں بے گھر نہ دکھائی دے گا
دل مرا عظمتِ انسان کا قائل ہوگا
جب کسی ہاتھ میں پتھر نہ دکھائی دے گا

اہلِ جنون کو جو مسلسل فریب دے
اہلِ خرد کی ایسی قیادت سے ہوشیار

یہ تھے حامد حسن شاؔد جو خیر سے صرف شاعر ہی نہیں، صحافی بھی تھے۔ ایک ہی وقت میں مختلف ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے والے اس پارہ صفت قلم کار نے غزل کے اشعار ہوں یا سیاسی وسماجی مضامین، عام انسان کے جذبات کی ترجمانی اور موجودہ نظام کی ناانصافیوں کا احساس دلانے کا بیڑا اٹھایا تھا اور اپنے پیچھے آنے والوں کی راہ کے کانٹے ہٹانے کا بھی عزم کر رکھا تھا۔ اس طرح اُن کی شخصیت متنوع رنگوں کے امتزاج سے تشکیل پائی تھی۔ یہ لمحہ بہ لمحہ بدلتے رنگ بھی اُن کی قوت کا احساس دلاتے ہیں۔ مگر میرے خیال میں اُن کو جن خوابوں، ارادوں اور آرزوؤں کی گھٹن کا سامنا تھا، اُس کا اظہار اُبلتے لاوے کی شکل میں نہیں بلکہ ایسے بہاؤ کی صورت میں ہونا چاہیے ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***